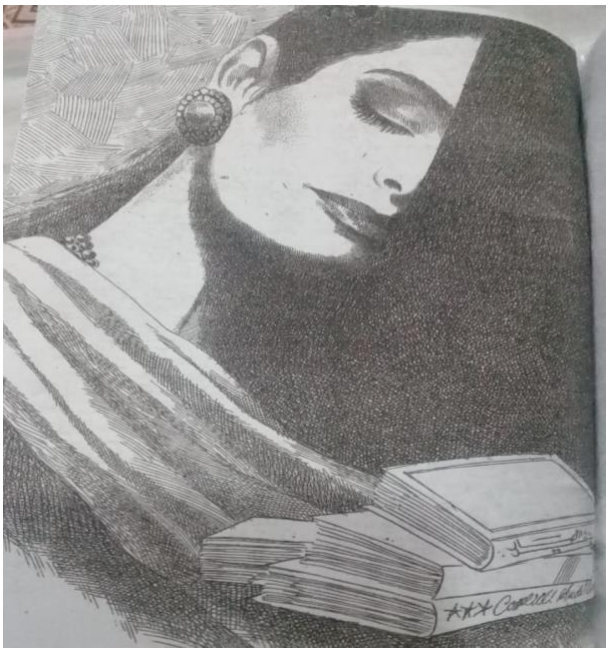

افسانے

بابرکت مہینہ	نمرہ سعید	۴۵
بنی آدم	فہمیلا ارمان	۴۸
پیغام رمضان	سدرہ چوہدری	۵۳
آخری راستہ	روبینہ عبدالقدیر	۵۶
چھوٹی سی خواہش	آمنہ ناصر	۷۸
خواب دید	عینی راجپوت	۸۲
ضروری ہے	نظیر فاطمہ	۱۰۱
تم بن ذات ادھوری	سارہ عمر	۱۰۴
رمز عشق	صائمہ اسلم	۱۳۵
محبت ذات	صبغہ احمد	۱۳۹
وقت سے پہلے	ایشا گل	۱۵۴

سارہ عمر

تم بن ذات ادھوری

کینوس پر بکھرے رنگوں نے آج پھر شکوہ کناں آنکھوں کی شبیہہ واضح کردی تو وہ بغور اسے دیکھنے لگے۔ دو نین جن میں حزن وملال کا سمندر موجزن تھا۔ دو نین جو بے اختیار کسی کی یاد دلا جاتے تھے۔ وہ برش تھامے اسی سوچ میں غلطاں تھے کہ کسی کی ہنسی کی کھنکار انہیں حقیقت کی دنیا میں کھینچ لائی تھی۔ انہیں لگا کہ یہ جھرنوں جیسی ہنسی اسی دوشیزہ کی ہے، جس کا ادھورا خاکہ کینوس پر موجود تھا مگر نہیں وہ غلط تھے، یہ آواز تو بہت قریب سنائی دی تھی۔

''دادا جان!'' ماہا دور سے ہاتھ ہلاتی سرسبز لان میں داخل ہوئی۔

چار سو رنگ برنگ پھول اپنی بہاریں دکھا رہے تھے۔ عصر کے وقت ہر روز ہی وہ یہاں کا رخ کرتی کیونکہ اسے معلوم تھا دادا یہیں ملیں گے۔

جب گھر بھر میں سب عصر کے وقت افطاری کی تیاری میں مشغول ہوتے دادا اور پوتی مل کر خوب باتیں کرتے۔ مغرب کی اذان کی آواز سنتے ہی وہ روزہ افطار کرنے چلے جاتے۔

ماہا جب بھی آتی ہر بار دادا کسی ادھورے خاکے کو مکمل کرنے کی سعی میں مصروف ہوتے۔ ...ب بھی وہ پینٹ اور برش سے نبرد آزما تھے۔ وہ ان کے پاس موجود کرسی پر بیٹھ گئی جبکہ اس کی نگاہیں ...شہ کی طرح اب اس ادھورے خاکے کا طواف ...رہی تھیں جو اس کے دادا کا تازہ ترین شاہکار ...۔

کئی سال وہ ہاسٹل میں رہی اور جب بھی گھر آتی تو دادا سے ہمیشہ اس ادھورے خاکے کا سوال ضرور پوچھتی۔ دادا اس کی بات کا یا تو جواب ... دیتے یا ٹال مٹول سے کام لیتے۔ ''پھر کبھی ...'' اسے ٹال جاتے۔ اس رمضان المبارک میں ... چھٹیوں پر آئی تو سوچ کر آئی تھی کہ لازمی دادا سے اس ادھورے اسکیچز اور پینٹنگ کا ضرور پوچھے گی۔

''دادا جان آپ ہمیشہ ہی یہ ادھورا خاکہ کیوں بناتے ہیں؟ بھلا یہ کون ہے جس کی آنکھیں بنانے کے بعد آپ ہمیشہ تصویر ادھوری چھوڑ دیتے ہیں؟''

ماہا نے ہمیشہ کی طرح وہی سوال دہرائے تھے جنہیں وہ کھوجنا چاہتی تھی۔ اس کی یہ بات سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ یہ ذکر ہمیشہ ہی انہیں اداس کر دیتا تھا۔

☆......☆

روپ نگر اور چاند نگر بہت خوبصورت گاؤں تھے۔ روپ نگر اور چاند نگر کی نا صرف زمین آپس میں ملتی تھی بلکہ ان کے مکینوں کے دل بھی آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ سب آپس میں مل جل کر رہتے مگر ایک خاندانی دشمنی کے بعد ان مکینوں کے بیچ ایک ان دیکھی دیوار حائل ہوگئی تھی۔ کئی سالوں کے خون خرابے کے بعد دونوں جانب خاموشی کی ایک چادر تن گئی تھی۔ تنازعہ تو چوہدریوں کا آپس میں تھا مگر وہاں کے رہائشیوں نے بھی آپس میں

بات چیت منقطع کردی تھی۔ دونوں گاؤں کے بیچ ایک مشترکہ سڑک تھی جو شہر کی جانب جاتی تھی۔ سارا دن گاڑیاں وہاں سے گزرتی رہتیں۔ سڑک سے کچھ ہی فاصلے پر ایک کنواں تھا جہاں سے روپ نگر کے مکین پانی بھرتے تھے۔ یہ کنواں بھی صرف روپ نگر کے مکینوں کی جاگیر تھا۔ وہ کبھی کسی چاند نگر کے باسی کو وہاں سے پانی بھرنے کی اجازت نہ دیتے۔

روبینہ بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسی کنویں پر موجود تھی۔ باقی سب سکھیاں تو گھڑے اٹھائے پانی بھرنے آئی تھیں مگر روبینہ روز صرف دل بہلانے کو وہاں جا پہنچتی تھی۔ گوری چٹی، تیکھے نقوش والی روبینہ کے انداز میں بے فکری نمایاں تھی۔ وہ دائیں ہاتھ سے پراندہ جھلاتی بائیں ہاتھ میں خالی گھڑا پکڑے کھڑی تھی۔ کبھی اس کا دل چاہتا تو پانی بھر لیتی ورنہ خالی گھڑا ہی واپس لے جاتی۔ اسے کوئی روک ٹوک تھوڑی تھی۔ نہ کوئی اس سے پوچھتا کہ گھنٹوں لگ بعد بھی کنویں سے بغیر پانی بھرے ہی کیوں آگئیں؟ وہ تو بس روز سہیلیوں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے اور دل بہلانے جاتی تھی۔ یہی تو اس کا دن گزارنے کا ذریعہ تھا۔ گاؤں میں کبھی پگڈنڈیوں پر بے مقصد پھرتے رہنا یا پھر اپنی سہیلیوں کے ساتھ خوب ہنسی مذاق کرنا۔ بے فکری کی زندگی تھی اور وہ اس میں مست تھی۔

وہ گاؤں کے چوہدری کی اکلوتی بیٹی اور سارے گاؤں کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ جہاں دل چاہتا گھومتی۔ ماں باپ بھی اسے بے تحاشا پیار کرتے اس سے بڑے تین بھائی تھے جن کی وہ بہت لاڈلی تھی۔ سارا وقت ان سے فرمائشیں کرتی اور وہ ہنس ہنس کر اپنی اکلوتی بہن کے ناز نخرے اٹھاتے۔

نجانے کیسے دن تھے کہ ہنسی بھی بے وقت آتی رہتی۔ اس روز بھی وہ کنواں ... بھرنے کے بہانے موجود تھی کہ کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے اس نے ... پر ہاتھ رکھ لیا تھا، بھوری آنکھیں زیادہ ہنسنے کے باعث نم ہوگئی تھیں۔ وہ اپنی ہنسی کو قابو کرنے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی مگر ہنسی تھی کہ رک ہی نہیں رہی تھی۔ جب ہی اس کی نظر سڑک کی جانب اٹھی تھی اور ساکت ہوگئی۔ اس نے ہاتھ کا چھجا بنا کر دور سے آتی گاڑی کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

وہ کوئی بڑی گاڑی تھی جو نہایت تیزی سے گاؤں کی واحد سڑک پر فراٹے بھرتی جارہی تھی۔ وہ کنویں کے قریب سے تیزی سے گزری تو معلوم ہوا کہ وہ لینڈ کروزر تھی اور بڑی گاڑیاں تو گاؤں میں سوائے چوہدریوں کے کسی کے پاس نہ تھیں۔

وہ ساکت سی کھڑی اس منظر کو تک رہی تھی جب وہ گاڑی جس تیزی سے آگے گئی تھی اسی تیزی سے واپس پلٹی۔ ایک لمحے کے لیے تو دھول مٹی سے تمام منظر دھندلا گیا مگر دھول چھٹتے ہی کوئی نوجوان سفید کرتا شلوار پہنے گاڑی سے اترا تھا۔ اس کی چال میں اعتماد تھا اور چہرے پر بے فکری۔ اونچا لمبا قد، سرخ وسپید رنگت، کبھی کھڑی مغرور ناک پر کالا چشمہ سجائے وہ ایک شان سے چلا آیا تھا۔ گھنی مونچھوں تلے کچھ ہلکی سی مسکراہٹ کی رمق تھی۔

ایک لمحے کے لیے تو روبینہ سب کچھ بھول بھال کر اسے ہی دیکھنے لگی جو شان بے نیازی سے قدم اٹھاتا اسی کی جانب چلا آرہا تھا۔ تمام منظر پس منظر میں چلے گئے تھے بس وہ شخص روبینہ کو دیکھ رہا تھا اور روبینہ اسے۔ شاید وہ کسی اور دیس کا شہزادہ تھا جو رستہ بھول کر اس جانب آنکلا تھا۔

''پیاس لگی ہے، پانی مل سکتا ہے۔''

کتنی دیر بعد وہ گویا ہوا تو روبینہ ہوش میں آئی

اور بے ساختہ گھڑا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نوجوان کے پاؤں پر جا گرا۔

''آہ!''

اس کے منہ سے بے اختیار آہ نکلی تو روبینہ نے تکلیف کی شدت سے بے اختیار آنکھیں میچتے منہ پر ہاتھ رکھا تھا مگر صنفِ مخالف کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ ابھری تھی۔

''پانی مانگا تھا گھڑا نہیں۔'' وہ مدھم لہجے میں بولا جیسے اس بات سے بے حد محظوظ ہوا ہو کہ اس کے ہاتھ سے گھڑا ہی چھوٹ گیا ہے۔

''معاف کیجیے گا۔''

روبینہ شرمندگی سے لمبی پلکیں جھپکاتے ساتھ کھڑی سہیلی سے اس کا گھڑا لے کر نوجوان کو پانی پلایا تھا۔ پانی پیتے ہی وہ ایک گہری نظر اس پر ڈالتے منظر سے غائب ہو گیا مگر اس کی نگاہیں کہہ گئیں تھیں۔

''پانی پینا تو فقط ایک بہانہ تھا
اصل مدعا تو تم سے دل لگانا تھا''

کب وہ مڑا، نظروں سے اوجھل ہو گیا پتہ ہی نہ چلا۔ واپسی کے راستے پر وہ قدم کہیں رکھتی اور پڑتے کہیں اور تھے۔ بس وہ خود سے ایک ہی سوال پوچھتی رہی بھلا وہ دور دیس کا شہزادہ کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟

☆......☆

ڈھول کی تھاپ پر حویلی کے ملازمین رقص کر رہے تھے۔ آج جشن کا سماں تھا اور نور محل بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ کالے رنگ کی بڑی سی گاڑی حویلی کے احاطے میں داخل ہوئی تو استقبال میں کھڑی بچوں نے پھول پھینکے تھے۔ آج چاند نگر والوں کے لیے ایک بہت یادگار دن تھا کہ چوہدری فرجان کا سب سے چھوٹا بیٹا چوہدری نعمان ولایت سے تعلیم مکمل کر کے واپس آ گیا تھا۔

نعمان بھی آج بے تحاشا خوش تھا، بے اختیار نظروں کے سامنے کسی کا سراپا لہرایا تھا اور مسکراہٹ لبوں کو چھو گئی تھی۔ نجانے رستے میں کیوں اس قدر پیاس ستانے لگی کہ وہ پانی کی طلب میں کنویں پر جا پہنچا جہاں جا کر تن کی پیاس تو مٹ گئی تھی مگر من کی پیاس میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ کھلکھلاتی دوشیزہ کئی گز سے فاصلے سے بھی اس کے دل کے تار ہلا گئی تھی۔ دل نے بے اختیار اسے قریب سے دیکھنے کی چاہ کی تھی اور وہ فوراً گاڑی رکوا بیٹھا۔

دن گزرتے گئے اور آہستہ آہستہ ایک پیاسے کی کہانی زدِ عام ہو گئی جو ہر روز اپنے من کی پیاس بجھانے، روپ نگر والوں کے کنویں پر جا پہنچتا تھا۔ جہاں روز ایک دوشیزہ گھڑا سنبھالے اس پیاسے کے انتظار میں بیٹھی ہوتی کہ کب وہ پیاسا آئے اور دونوں کو ایک دوجے کا دیدار نصیب ہو۔ پہلے پہل بس سکھیوں نے دیکھا مگر پھر ہلکی ہلکی سرگوشیاں ہر جانب سنائی دینے لگیں۔ بھلا عشق مشک بھی کبھی چھپے ہیں جواب چھپتے۔

حالات کے خوف سے ڈر کر کسی دوست نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

''دشمنوں کی بیٹی پر نظر نہ رکھ اگر وہ مل بھی گئی تب بھی بربادی ہی تیرا مقدر ہو گی، یہ دشمنیاں اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتیں انسان ختم ہو جاتے ہیں۔''

مگر وہ دل ہی کیا جو محبت اور محبوب کے دیدار پر سمجھوتہ کر لے۔ اس نے بھی ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑایا اور من کی پیاس بجھانے کنویں کی منڈیر پر جا پہنچا، جہاں محبوب پلکیں بچھائے اس کا منتظر ہوتا۔

جہاں وہ ایک دوجے سے یہی کہتے۔
کسی ایسی جگہ چل بسنا

اس نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ مدھم مدھم سرگوشیوں میں مخاطب تھے۔ نعمان اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا تھا مگر روبینہ رات کے اندھیرے میں چھپ کر حویلی سے نکلی تھی بھی بچے کو ملازمہ کے پاس چھوڑ آئی اگر وہ رونے لگتا تو آس پاس کسی کو خبر ہو سکتی تھی۔

''نہیں، ابھی نہیں اگلی بار سچ۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

پہلی ملاقات میں کوئی خطرہ مول نہ لینا چاہتی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ اس کی آخری ملاقات ثابت ہو گی۔

رات کے اندھیرے میں اپنے شوہر کو اپنے پاس دیکھتے ہی وہ فرطِ جذبات میں بے اختیار اس کے گلے سے جا لگی تھی۔ محبت تو پہلے بھی بے تحاشا تھی مگر اب کچھ عرصے کی دوری نے تو ایسا حال کیا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ وہ اس میں سما جائے۔ اس کی روح کا حصہ بن جائے۔ کیسا ظلم تھا کہ محرم ہوتے ہوئے بھی اسے چھپ کر اپنے شوہر سے ملنا پڑ رہا تھا۔ وہ سسکیوں سے روتی ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ نعمان نے بھی اس کے گرد اپنی بانہیں حائل کرتے اسے بھینچ لیا تھا۔ وہ اب اس کی کمر سہلاتے اسے تسلی دینے لگا مگر قریب سے کسی کی سرسراہٹ سنائی دینے پر چونک پڑا۔ وہ تیزی سے اندھیرے میں اس ہیولے کی جانب بڑھا تھا کہ آواز گونجی۔

''ہمیں دھوکا دیتی ہے تیری تو......''

اس اچانک افتاد پر وہ دونوں ہی گھبرا گئے تھے۔ روبینہ تیزی سے پیچھے ہٹی تھی۔ جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا۔

''کچھ مت کرنا میں اس کا شوہر ہوں۔'' نعمان نے آگے بڑھ کر آنے والے کو پیش قدمی سے روکنا چاہا مگر دیر ہو چکی تھی گولی بندوق سے نکلی اور روبینہ کے جسم کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

رات کے اندھیرے میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر جب روبینہ نعمان سے ملاقات کرنے پہنچی تو اس کا بڑا بھائی اس کا پیچھا کرتا اس تک پہنچ گیا تھا۔ اندھیرے میں اسے لگا کہ اس کی بہن کسی غیر مرد سے مل رہی ہے تبھی نعمان کی آواز سننے سے پہلے وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی اکلوتی بہن کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ سگے بھائی کی انا نے نہ صرف نعمان سے اس کی محبت چھین لی بلکہ اس کے کچھ ماہ کے بچے کو ماں سے محروم کر دیا۔ سچ کہا تھا اس کے دوست نے دشمنی میں بس تباہی ہی مقدر ٹھہرتی ہے۔

دو آنسو آنکھوں سے پھسل کر گود میں رکھی پینٹنگ پر گرے تو رنگ پھیلنے لگے۔ مغرب کی اذانوں کی آواز سن کر ماہا نے دادا کی جانب ہاتھ بڑھایا جسے تھام کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نے نم آنکھوں سے اپنے دادا کو دیکھا تھا، جو کتنے سال سے اپنی حویلی اور اپنے گاؤں نہیں گئے تھے۔ ہر بار وہ یہی کہتے کہ وہاں ان کا دل نہیں لگتا کیونکہ دل تو برسوں پہلے کوئی اپنے ساتھ چرا لے گیا تھا۔

''تم پوچھتی تھی نا کہ میں تمہاری دادی کی ہمیشہ آنکھیں کیوں بناتا ہوں پورا چہرہ کیوں نہیں؟''

ماہا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس لیے کہ ہماری محبت کی داستان بھی اس کے چلے جانے سے ادھوری رہ گئی اور اب اس کے بغیر میری ذات ادھوری ہے اور ادھوری رہے گی۔ یہ ادھوری محبت، ادھورے رشتے اور ادھوری پینٹنگ ہمیشہ میری زندگی کا حصہ رہیں گی۔''

دادا کی بات پر ماہا نے تاسف سے سر جھکایا اور اپنے رب سے دادا کے صبر کے لیے دعا مانگی تھی۔ وہ آج جان گئی تھی کہ ''ادھوری محبتیں انسان کی ذات کو بھی ادھورا کر دیتی ہیں۔''

......☆......